R. No. 2186/57

Regd. No. L. 972.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۴ ۔ شمارہ ۱۱	ایڈیٹر: آل احمد سرور	۱۵ مارچ ۱۹۶۵ء

اداریہ

زبان کی خدمت کا ایک پہلو

ہم اردو زبان کے حقوق کی حفاظت کے لیے جو جد و جہد کر رہے ہیں وہ تو ہر حال میں جاری رکھنا ہے۔ مرکزی حکومت، ریاستی حکومت، مقامی افسروں کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ممبران، مجالس قانون ساز کے ممبروں، سیاسی پارٹیوں کے اہم افراد، قومی کارکنوں، دوسری زبانوں کے ممتاز نمایندوں کو اپنے ساتھ لینا بھی ہے، لیکن وقت اور موقع کی ایک خاص ضرورت کی طرف یہاں اشارہ کرنا ہے۔ اگر آج کوئی تجارت شروع کرتا ہے اور موجودہ دور کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے محنت اور کوشش کرتا ہے تو اسے جلد ہی کامیابی ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی "دیوانہ" اپنے کسی خاص جذبے کے زیر اثر کوئی انوکھا کام بھی شروع کرتا ہے تو اس کے خلوص اور لگن کو دیکھتے ہوئے اس کے ہم خیال بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ فلم والوں نے تجارتی اور تفریحی مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بہت بڑی انڈسٹری بنالی ہے۔ "شمع" والوں نے موجودہ دور کی ضروریات کو دیکھ کر باقاعدگی سے کام کیا، آج ان کا کاروبار بہت اچھا چل رہا ہے۔ ملک میں سیکڑوں قسم کے منصوبے لوگ پیش کرتے ہیں۔ اگر ان میں جان ہوتی ہے اور ان کے لیے کچھ لوگ جد و جہد کرتے ہیں تو ایک نفع بخش کاروبار وجود میں آجاتا ہے۔ ہمدرد والوں نے دیکھتے دیکھتے خدمت اور تجارت دونوں کے نئے راستے تلاش کر لیے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں صرف حکومت سے حقوق نہیں مانگنے چاہئیں بلکہ اپنے ذوق اور صلاحیت کو دیکھتے ہوئے چھوٹے یا بڑے پیمانے پر بہت سے کام بہت سی جگہوں پر شروع کر دینے چاہئیں۔ کچھ لوگ اردو کی کتابوں کو سستی قیمت پر چھاپ رہے ہیں، اردو کی خدمت بھی ہو رہی ہے اور کاروبار بھی چمک رہا ہے۔ کچھ اردو کے مصنفین کے شاہکار دیوناگری میں منتقل کر رہے ہیں۔ یہ بھی اچھا اور نفع بخش کاروبار ثابت ہوا ہے اور اس طرح وہ لوگ جو اردو رسم خط سے واقف نہیں، اردو زبان و ادب کی خوبیوں سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اور بھی بہت سے کام شروع کیے جا سکتے ہیں۔ سستے اخبار، نئے رسالے، سائنس پر عام فہم انداز میں کتابیں، قومی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر رسالے، ہندوستان کے مشاہیر اور دنیا کے مشاہیر پر کتابچے، دنیا کی مختلف تہذیبوں پر چھوٹی چھوٹی کتابیں، عالمی ادب کے تراجم، ہندوستان کی علاقائی زبانوں کے شاہکاروں کے اردو میں تراجم، مخصوص موضوعات پر رسالے، کھیلوں، میلوں، تیوہاروں، قومی منصوبوں کے متعلق معلومات، پرانی کتابوں کی فراہمی اور فروخت، گاندھی جی کی سب کتابوں کا اردو میں ترجمہ، ٹیگور کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ، شیکسپیر کے سب ڈراموں کا معیاری ترجمہ، روس، امریکہ، انگلستان سے واقفیت دلانا، جدید عربی ادب اور جدید فارسی ادب کے متعلق معلومات فراہم کرنا، اچھے اور دلچسپ [illegible]، خاص قومی کاموں کے متعلق اطلاع بہم پہنچانا، بچوں کے متعلق قسم قسم کے رسالے نکالنا، غرض کرنے کے کام بہت ہیں اور کچھ لوگ ان میں سے کوئی کام اپنی پسند کا لے لیں اور اس میں لگ جائیں تو تھوڑے ہی عرصے میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ ضرورت خلوص، محنت اور خاموش کام کی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ چیزیں بالکل نہیں ہو رہی ہیں مگر اور ہو سکتی ہیں اور باقاعدہ پروگرام سے

اس شمارے میں

کے تحت اور تنظیم کے ساتھ ہو سکتی ہیں۔ دوسرے ملکوں کو ہندوستان سے دلچسپی ہے۔ ہندوستان کو دوسرے ملکوں سے تعلق رکھنا ہے۔ اردو والے دوسرے ملکوں کے علم و ادب سے دلچسپی پیدا کریں اور اس دلچسپی کو اپنے ملک میں عام کریں تو ہمارے تعلقات دوسرے ملکوں سے اور بہتر ہوں گے اور اردو کا فائدہ بھی ہوگا۔ آج عشق ہزار شیوہ نہیں تو کچھ نہیں۔

سیر بین

ہندوستان کے نوجوان سائنسداں ڈاکٹر نرلی کر نے "پھیلتی ہوئی کائنات" پر لیکچر دیتے ہوئے حال میں آدمی کی اس کائنات میں جگہ کو ایک مثال سے واضح کیا۔ سمندر میں ایک جہاز جا رہا ہے۔ اس جہاز کے گودام میں ایک بورے میں آلو ہیں۔ ان آلوؤں میں سے ایک میں ایک کیڑا ہے۔ کیڑے کی سمندر میں جو حیثیت ہے وہی کائنات میں آدمی کی ہے۔

دیکھیے سائنس دانوں کو بھی بڑی بات عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے شاعری اور ادب کی تشبیہات سے کام لینا پڑتا ہے۔

عرصہ ہوا ڈاکٹر سید حسین ظہیر فرماتے جو ایک مشہور ماہر لسانیات ہیں لکھنؤ یونیورسٹی میں ایک لیکچر دیتے ہوئے بتایا تھا کہ جب طبیعیات کی انگریزی اصطلاحوں کا ہندی میں ترجمہ کر رہے تھے تو اکثر انہیں کائنات کی وسعت کے سلسلے نئے مفاہیم سے سابقہ پڑتا تھا۔ ہندی میں ان کے ہم معنی الفاظ تلاش کرتے ہوئے انہیں اصغر کے اس شعر کا اکثر دھیان آتا تھا۔

سنتا ہوں بڑے غور سے افسانۂ ہستی　　کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرزِ ادا ہے

راقم الحروف نے جب ڈاکٹر نرلی کر کے لیکچر کی روداد پڑھی تو اسے نہ معلوم کیوں غالب کے یہ شعر یاد آئے۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب　　ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

نہ پوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں غالب　　جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام　　مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگزارِ باد یاں

بعض لوگ ہوتے تو کہہ دیتے کہ غالب بہت سے سائنس دانوں سے زیادہ کائنات کا علم رکھتے تھے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس تخیل کی مدد سے سائنس داں اپنے تجربات کی روشنی میں اپنے نظریات قائم کرتا ہے اسی تخیل کے سہارے شاعر بعض اوقات ایسے نکتے اور تصورات پیش کر دیتا ہے جن کی تفصیل میں سائنس کو برسوں سفر کرنا پڑتا ہے۔ اقبال نے جو خیال ۱۹۲۲ء میں طلوعِ اسلام میں ظاہر کیا تھا۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

۱۹۴۵ء میں جاکر سائنس دانوں کی مدد سے سیاست دانوں نے جاپان میں اس کا تجربہ کر لیا۔

ڈاکٹر اقبال کی ریڈریں

اس عنوان سے یکم مارچ کے شمارہ میں جناب نادم سیتاپوری کی جو تحریر شائع ہوئی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ مجوزہ ریڈروں کے مصنف علامہ اقبال نہیں تھے بلکہ پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال تھے، جو پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ فارسی کے صدر تھے۔ ۱۹۲۲ء میں اورینٹل کالج سے منسلک ہوئے، ۱۹۴۸ء میں حرکتِ قلب بند ہونے سے وفات پا گئے۔ اس وقت کالج کے پرنسپل تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے محمد داؤد رہبر استنبول یونیورسٹی میں اردو کے استاد تھے، بعض وجوہ کی بنا پر عیسائی ہو گئے اور آج کل امریکہ میں ہیں۔

جناب نادم سیتاپوری کو نام کی یکسانی کے باعث غلطی لگی ہے۔ از راہِ کرم تصحیح فرما دیں۔　　(شورش کاشمیری)

حکومتِ ہند سر سید کی سوانح شائع کرے گی

نئی دہلی، ۷ مارچ۔ وزارت اطلاعات و نشریات ہندوستان کے معمار کے تحت شائع ہونے والی سوانحوں کے سلسلے میں سرسید کی سوانح بھی شائع کرے گی۔ سرسید کے علاوہ وزارت اطلاعات و نشریات سردار پٹیل، بھولا بھائی ڈیسائی، جے ایم سین گپتا، حکیم اجمل خاں، بنکم چندر چٹرجی، بدرالدین طیب جی، خان عبدالغفار، ایم وشویسوریا کی سوانحیں بھی شائع کرے گی۔ اس سلسلے میں اب تک حکومت ہندوستان قومی شخصیتوں کی سوانحیں شائع کر چکی ہے۔ ان میں دادا بھائی نوروجی، سی آر داس، اینی بیسنٹ، لوکمانیہ، پنڈت موتی لال نہرو بھی شامل ہیں۔

حکومت ہند ۲۳ نئی سوانحوں کی اشاعت کا ارادہ رکھتی ہے۔ ۱۴ سوانحوں کے مصنفوں نے اپنے مسودوں کو سال رواں کے آخر تک مکمل کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ باقی دوسری سوانحوں کے لیے مصنفوں کا انتخاب کیا جا رہا ہے۔　　(نیشنل ہیرلڈ)

پروفیسر آل احمد سرور

مولانا احسن مارہروی

نئی نسل کو کیا معلوم کہ مولانا احسن مرحوم کا کارنامہ کیا ہے۔ اس کا علم تو انھیں لوگوں کو ہو سکتا ہے جنھوں نے مولانا کی ساری تصانیف پڑھی ہیں، ان سے قریب رہے ہیں اور انھیں مختلف حیثیتوں سے دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا ہے۔ اپنے مشاہیر کی یاد سے نئی نسلوں کو احساس، علم اور عرفان، سبھی کچھ مل سکتا ہے۔

میں نے جب ہوش سنبھالا اور بدایوں کی ادبی محفلوں میں شرکت کرنے لگا تو مولانا احسن کا اکثر تذکرہ سننے میں آیا۔ بدایوں کے کئی ممتاز شاعر مولانا کے شاگرد تھے اور جس ادب اور احترام سے ان کا ذکر کرتے تھے اس کی وجہ سے مولانا کی بزرگی کا ایک گہرا نقش بچپن سے میرے ذہن میں تھا۔ جب میں انگریزی میں ایم اے کرنے علی گڑھ پہنچا تو رشید صاحب کے علاوہ دوسرے ادیبوں سے بھی ملنے گیا۔ مولانا احسن کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ مولانا بڑی شفقت سے پیش آئے مگر انھوں نے اپنی بزرگی کا رعب بالکل نہیں ڈالا۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ ایک ایسے باکمال شخص سے ملاقات ہو رہی ہے جو صرف ماضی کی بہترین یادوں میں کھویا ہوا نہیں ہے بلکہ ادب کی دنیا میں نو واردوں کی بھی ہمت افزائی کرتا ہے۔ پہلی ہی گفتگو میں کسی لفظ پر بحث ہو رہی تھی۔ مولانا نے عربی اور فارسی قواعد کے بجائے اردو کی حمایت کی۔ کسی نے کہا کہ مشکور کو شکر گزار کے معنی میں استعمال کرنے کی بدعت بہت عام ہو گئی ہے۔ مولانا نے کہا کہ جو الفاظ عام استعمال میں آ گئے ہیں، انھیں اسی طرح استعمال کرنا چاہیے۔ میں ساری گفتگو خاموشی سے سن رہا تھا۔ مولانا کی روشن خیالی مجھے بڑی بھلی معلوم ہوئی۔ کچھ دن بعد انجمن حدیقۃ الشعر کا سالانہ مشاعرہ ہوا۔ مولانا کے یہاں سب شاعروں کا مجمع تھا۔ میں بھی گیا۔ سب مولانا کو بڑی عقیدت اور محبت سے دیکھتے تھے۔ دوسرے دن اصغر گونڈوی مرحوم میرے ساتھ مولانا کے یہاں پھر پہنچے۔ مولانا نے ان سے تازہ غزل کی فرمائش کی۔ اصغر صاحب مشاعروں میں خود نہیں پڑھتے تھے۔ اس صحبت میں انھوں نے بڑے دھیمے اور دلکش لہجے میں ایک نئی غزل سنائی۔ مولانا نے بڑی تعریف کی۔ معلوم ہوا کہ معاصرین کے کمال کے اعتراف میں بعض لوگوں کی طرح بخیل نہیں ہیں۔

اس کے بعد مولانا سے خاص قربت رہی۔ ۱۹۳۶ء میں میں شعبۂ اردو میں آ گیا۔ علاوہ درس و تدریس کے گھنٹوں ادبی مسائل پر باتیں رہتیں۔ الفاظ کی تحقیق، محاورے کی صحت، زبان کے نوک پلک کا مولانا کو خاص خیال تھا۔ وہ شعر و ادب کے ہر رنگ سے واقف تھے۔ خود کلاسکی رنگ کے علم بردار تھے، مگر تجربوں سے بھڑکتے نہیں تھے۔ شعبے میں سب سے برابری برتتے تھے۔ طلبا سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ خالی گھنٹوں میں یا تو ادبی گفتگو ہوتی تھی یا مولانا فرمائشوں کی تعمیل میں غزلیں، نظمیں، تاریخیں اور ادبی سوالات کے جوابات لکھتے رہتے تھے۔ اپنے استاد داغ کے عاشق تھے۔ ایک دفعہ بشیر احمد ہاشمی صاحب نے جو اس زمانے میں ٹریننگ کالج میں لکچرر تھے، داغ پر ایک مضمون پڑھا۔ مضمون میں چکبست کے نظریے کی تائید کی گئی تھی کہ داغ کا طرز عیاشانہ ہے۔ مولانا کیسے خاموش رہتے۔ مضمون کے بعد بڑے مزے کی تقریر کی اور کہا کہ آج آپ جو چاہیں کہہ لیجیے مگر داغ کے کلام میں اردو زبان کی ساری لطافتیں اور نزاکتیں جس طرح جمع ہو گئی ہیں وہ اوروں کے یہاں مشکل سے ملیں گی۔ مولانا کی شاعری کا میں کبھی قائل نہ ہوا۔ یا تو بڑے دھلے دھلائے، نک سک سے درست مگر سپاٹ شعر کہتے تھے یا ایسے شوخ جو ان کی زبان سے عجیب معلوم ہوتے تھے۔ ان کے یہاں اچھے اشعار بھی ہیں، مگر یہ اشعار زیادہ تر سند کے طور پر استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ وہ بصیرت اور کیفیت کم رکھتے ہیں جو شاعری کا تحفہ ہے۔ مگر زبان کے اسرار و رموز اور انشا پردازوں کے آداب سے کم لوگ اتنے واقف ہوں گے جتنے مولانا احسن تھے۔ بڑی صاف ستھری نثر لکھتے تھے۔ تحقیق اور تنقید دونوں سے گہرا شغف تھا۔ کلیات ولی اور تاریخ نثر اردو کی آج بھی اہمیت ہے۔ اپنے استاد داغ کی نہ صرف انھوں نے ان کی زندگی میں بڑی خدمت کی بلکہ ساری عمر ان کی عظمت کو آشکار کرنے میں صرف کر دی۔ داغ کی [illegible] خطوط داغ مرتب کر کے چھپوائے۔ منتخب داغ کے نام سے ان کے ایسے اشعار جمع کیے جو ٹھیٹھ ہندوستانی ہیں۔ ان کے بہت سے ایسے شاگرد ہیں جو آج استاد کہے جا سکتے ہیں۔

بزرگوں میں ویسی باغ و بہار شخصیتیں کم دیکھیں۔ استادوں میں ایسے صاحب نظر کم ملے۔ ادب کے پرستاروں میں ادب کا ایسا سچا اور والہانہ عشق کم پایا۔ پرانوں میں نئے رنگ و آہنگ کی قدر کرنے والا ایسا کم نظر آیا۔ مولانا کی یاد آتی ہے تو ذہن میں سیکڑوں شمعیں جل اٹھتی ہیں۔ ان شمعوں کی روشنی وقت گزرنے کے باوجود آج بھی دلکش ہے۔

مولانا کی زندگی اور تصانیف پر ایک جامع کتاب کی ضرورت آج بھی باقی ہے۔ دیکھیے یہ کب پوری ہو۔

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

نسیم اقبال

لاکروزے

قرونِ وسطیٰ میں اہلِ یورپ عام طور سے یہ خیال کرتے تھے کہ دنیا کے علم و دانش کے تمام چشمے کسی ایک مخرج سے پھوٹے ہیں اور تمام زبانیں کسی ایک بڑی زبان کی شاخیں ہیں اس نظریے کے تحت انھوں نے دنیا کے تمام علوم و فنون کا جائزہ لیا۔ ان چھان بین کرنے والوں کو علوم و فنون کے دلچسپ ترین خزانوں کا انبار مشرقی دنیا میں دستیاب ہوا۔ اس انبار نے یورپی علما کے ایک بڑے گروہ کی توجہ اپنی طرف منعطف کرلی۔

فرانسیسی عالم لاکروزے متفکروں کے اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ اوائل اٹھارویں صدی کے مشرق شناسوں میں ممتاز ترین شخصیت کا مالک ہے۔ وہ اپنے زمانے میں علومِ مشرقیہ کا متبحر اور جید عالم سمجھا جاتا تھا اس کی تعلیم و تربیت بینی ڈکٹن فرقے کے زیر اثر ہوئی تھی۔ اور اس نے قدیم مذہبی علماء کی تصانیف کا مطالعہ بھی بڑے ذوق و شوق سے کیا تھا۔ یورپ میں وہ زمانہ بڑے شعور مند کا تھا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقہ وارنہ حکمتوں کو زیروزبر کرنے پر تلی ہوئی تھی لاکروزے اس زمانے کی نئی روش کے مطابق روشن خیالی کا حامل تھا۔ اپنے نظریات کی بدولت ۱۶۹۳ء میں اس کو فرانس چھوڑنا پڑا اور وہ برلن چلا گیا۔ اس زمانے میں فرانس کے جلاوطن پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی پناہ گاہ برلن تھی۔ ناخب اعظم (Great Elector) کے دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی تھی۔ ۱۶۹۷ء میں لاکروزے شہنشاہ فریڈرک کا لائبریرین اور تحقیق علوم قدیمہ کا مہتمم مقرر ہوا۔ یہ فریڈرک اس وقت برانڈنبرگ کا فرمان روا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۰۱ء میں پروشیا کا پہلا بادشاہ منتخب ہوا۔ لاکروزے ۱۷۲۴ء میں برلن کے فرانسیسی کالج میں شعبہ فلسفہ کا صدر بھی مقرر کیا گیا۔

اس زمانے میں اہلِ یورپ مشرقی ممالک میں بڑی بڑی اور نئی نئی دریافتیں کر رہے تھے۔ مختلف یورپی ملکوں کے باشندے مختلف مشرقی ممالک کی سیاحت کرتے اور سفرنامے تصنیف کرتے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مشنری ان ملکوں میں تبلیغ کے واسطے جاتے اور اپنے تجربات قلم بند کرتے بہت سے ایسے مسائل تھے جو حل طلب تھے جن کے سلسلے میں اختلاف رائے تھا۔ لاکروزے نے ایسے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے بڑا دلچسپ طریقہ نکالا۔ اس نے ہم عصر تمام ایسے علماء سے جو مشرقی علوم میں دلچسپی رکھتے تھے خط و کتابت کا طویل سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ خط و کتابت بعد میں باریک حروف میں چھپے ہوئے تین تین سو صفحات کی تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ خطوط اس زمانے کے حالات پر گہری روشنی ڈالتے ہیں

لاکروزے غیر ممالک میں بھیجے جانے والے پروٹسٹنٹ مشنوں سے بھی گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے ہندوستان اور حبشہ (افریقہ) میں عیسائیت کی تبلیغ کی تاریخیں بھی لکھی ہیں۔ ان تاریخوں سے متعلقہ ملکوں کے اس زمانے کے رسم و رواج اور حالات پر خاصی روشنی پڑتی ہے اس نے ہندوستان میں پہلے پروٹسٹنٹ مشن کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ زیگن بالگ اور پلاشو ہندوستان آنے والے پہلے پروٹسٹنٹ مشنری تھے ان لوگوں کو جو پہلی مشکل درپیش ہوئی وہ زبان کے سلسلے میں تھی۔ یہ مشن کیوں کہ ترانکوبار کے سواحل پر لنگر انداز ہوا تھا اس لیے ان کو تامل زبان سے واسطہ پڑا۔ اس زبان سے واقفیت بہم پہنچانے کے سلسلے ان لوگوں نے بڑی پریشانیاں اٹھائیں۔ یہ پریشانیاں اس بات کی غماز ہیں کہ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ہندوستان کا معاشرہ کیا تھا۔ ان سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستانی تہذیبی طور سے سکڑے ہوئے ایک معاشرتی تنگنائے کی حالت میں تھے جس کے اندر کسی بھی نئی بات کے داخلے کی کوئی گنجائش نہیں تھی پروٹسٹنٹ مشنریوں سے پہلے آنے والے کیتھولک پادری بھی بہت دو رنگ میں تہذیب میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ باہر سے آنے والے تمام نئے تہذیبی اثرات یہاں کی تمدنی آہنی دیواروں کے باہر ہی آوارہ گشت کرنے میں مصروف تھے یا جھروکوں کی تلاش میں۔ تہذیب کی ان آہنی دیواروں کے سائے میں بسنے والے یا جلاوطن کچھ اچھوت ہی ان لوگوں کے ہاتھ لگ سکے تھے اس لیے جب زیگن بالگ نے تامل پڑھنے کے لیے کسی پڑھے لکھے آدمی کی تلاش کی تو انھیں کوئی ایسا آدمی دستیاب نہیں ہو سکا بعد تلاش بسیار وہ بہت سی دقتوں سے ان کو ایک ایسا آدمی ملا بھی جس نے ان آہنی دیواروں پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو اس کو ٹرانکوبار سے جلاوطن کر دیا گیا۔ اور تنجور کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ الزام یہ تھا کہ اس نے ان دو مشنریوں پر دھرم اور اس کے بھیدوں کو کھولنے کی کوشش کی تھی۔

تاریخوں کی طرح خطوط بھی مشرقی دنیا کے حالات کی دلچسپ تصویریں فراہم کرتے ہیں۔

علم لسانیات کے اعتبار سے ان خطوں کو اگر اٹھارویں صدی کے اوائل تک ہونے والی لسانی تحقیق کا انڈیکس کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

لاکروزے اسی نظریے کا علمبردار تھا کہ دنیا کے تمام علوم کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ تمام زبانوں کا منبع کوئی ایک آفاقی زبان ہے اور حروف تہجی کے تمام نظام کسی ایک نظام کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں اس نے بائبر اور چیمبرلین کو لکھے ہوئے خطوط میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یونانی، سریانی، عربی، فارسی، اور برہمنوں کے حروف تہجی کا منبع ایک ہے اس نے اندازہ لگایا ہے کہ ان تمام نظاموں کا مصری تصویری حروف تہجی

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

ندا فاضلی

سنسار

پھیلتی دھرتی!
کھلا آکاش تھا میں!
چاند سورج ندیاں، کہسار، بادل
لہلہاتی وادیاں، سنسان جنگل
میں ہی میں تھا
پھیلا ہوا تھا ہر دشا میں
جیسے جیسے آگے بڑھتا جا رہا ہوں
ٹوٹتا، مڑتا، سکڑتا جا رہا ہوں

کل!
زمیں سے آسماں تک میں ہی میں تھا
آج! اک چھوٹا سا کمرہ رہ گیا ہوں

پھیلتی دھرتی!
کھلا آکاش تھا میں!!!

اختر نظمی

پیمانے

تم مجھ سے پہلے آئے، یا
میں تم سے پہلے آیا ہوں
یہ تو کوئی بات نہیں ہے

ماہ و سال کے پیمانوں سے
عمریں ناپی جا سکتی ہیں
ذہن نہیں ناپے جا سکتے

شام و سحر کی میزانوں پر
لمحے تولے جا سکتے ہیں
فہم نہیں تولی جا سکتی

فکر و نظر کا، قصر ہنر کا
وقت ہی اک معیار نہیں ہے
عمر کوئی معیار نہیں ہے

اردو

زبان کے افسوسناک اور ناگوار اختلافات کا ایک مثبت پہلو یہ نکلا ہے کہ عوام اور حکومت کو یہ بات یاد آگئی ہے کہ اردو کی حیثیت کیا ہے۔ جسے اتنے طویل عرصہ تک نظرانداز کیا گیا اور اس سے بے پروائی برتی گئی۔ یہ حقیقت کہ اردو بھی ملک کی چودہ قومی زبانوں میں سے ایک ہے اور دستور کی دفعہ آٹھ میں درج ہے اس وقت بالکل فراموش کردی گئی جب کہ پاکستان نے اسے سرکاری زبان کی حیثیت سے شامل کیا۔ اگرچہ اردو سوائے رفیوجیوں کے پاکستانی باشندوں کے کسی طبقے کی بھی بول چال نہیں ہے۔ اس سے بہت سے لوگوں نے یہ فرض کرلیا کہ اردو کی ہمت افزائی اور ترقی کا کام اب سے صرف حکومت پاکستان کی ذمہ داری ہونی چاہیے۔ یہ کیسی ستم ظریفی کی بات ہے کہ اردو کو ان علاقوں میں سب سے زیادہ دکھ اٹھانا پڑا جہاں وہ سب سے زیادہ پھولی پھلی یعنی دہلی، یوپی اور بہار۔ کیوں کہ ان علاقوں میں اسے ہندی کا حریف تصور کیا گیا۔ چونکہ آندھرا میں اس قسم کے کوئی جذبات نہیں تھے اس لیے وہ بڑی آسانی سے اس علاقے کی ثانوی علاقائی زبان کی حیثیت حاصل کرلی چونکہ وہاں ہندی اردو کی رقابت کا کوئی خوف نہیں ہے، اس لیے حکومت اگر دہلی، یوپی اور بہار میں بھی اسے یہ حیثیت دینے کا مطالبہ مان لے اور اسے ان علاقوں کی ثانوی علاقائی زبان کی حیثیت دیدے تو یہ اس کے ساتھ انصاف کرنے سے زیادہ نہیں ہوگا۔

یہ خوف کہ اردو کے استعمال سے عوام کے ایک حصہ میں علیحدگی پسندی کی ہمت افزائی ہوگی قطعی بے بنیاد ہے۔ اردو کو جو مخلوط کلچر کا نشان بتایا گیا ہے وہ بے وجہ نہیں ہے۔ اردو کی ہمت افزائی میں فرقہ پرستی دیکھنا تنگ نظری کے آگے سپر ڈالنے کے برابر ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ دلیل بھی بے بنیاد ہے کہ اردو اپنے لیے کسی جغرافیائی علاقے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اردو شمالی ہند کے بہت سے لوگوں کی مادری زبان ہے خاص کر یوپی، بہار اور دہلی میں۔ ان علاقوں میں اردو کی پڑھائی اور سرکاری کاموں میں اس کے استعمال کی سہولت آسانی سے دی جاسکتی ہے۔ اگر اسے ثانوی علاقائی زبان کی حیثیت دے دی جائے تو اس کے استحقاق کی ایک بار وضاحت ہوجائے گی اور اردو اور ہندی کے درمیان کوئی رقابت کا سوال نہیں پیدا ہوگا۔

(پیٹریاٹ نئی دہلی)

ہماری زبان سے خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(صفحہ ۵ سے آگے)

سے اخراج ہوا ہے۔

یہ درست ہے کہ لسانیات کی دنیا میں اس طرح کے کسی بھی نظریے کو کچھ زیادہ دور تک صادق تسلیم نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر نظریہ عمومی طور پر صداقت کے کسی نہ کسی پہلو کا پردہ در ہوتا ہے۔

بعد میں مسٹر راسے اور مسٹر اسٹار کی کو قدیم مصری حروف تہجی سے سامی اور دوسرے حروف تہجی تک ارتقا کی درمیانی کڑیاں تلاش کرنے میں لاکروزے کے خطوط سے خاصی مدد ملی۔

ان خطوط کی زبان بے حد سادہ اور آسان لاطینی ہے۔ انداز بے حد دل نشیں ہے مختلف موضوعات کے بارے میں جس انداز سے اظہار خیال کیا گیا ہے وہ قاری سے خراج تحسین وصول کیے بغیر نہیں رہتا۔ گریرسن کا خیال ہے کہ اسے ان خطوط کے مجموعے سے زیادہ دلچسپ کوئی کتاب نہیں ملی۔

۱۷۱۵ میں ڈیوڈ وکنس اور جون چیمبرلین نے متعدد زبانوں میں دعاؤں کا مجموعہ شائع کیا۔ اس مجموعہ کی تدوین میں انھوں نے لاکروزے سے بھی مدد مانگی۔ اس سلسلہ میں ان تینوں کے درمیان ایک سال تک خط و کتابت ہوتی رہی۔ نومبر ۱۷۱۴ میں لاکروزے نے چیمبرلین کو ایک طویل اور مفصل خط لکھا جس میں اس نے زبانوں کے عمومی مطالعہ کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے ساتھ ہی تقابلی لسانیات کے مطالعہ کی پرزور حمایت کی ہے اور اس کی افادیت کو واضح کیا ہے۔ اس نے تمام زبانوں کے اندرونی رشتے تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جن سے وہ واقف تھا۔ ہندوستانی زبانوں پر بحث کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔ اس ملک کی تمام زبانیں سنسکرت سے ماخوذ ہیں ساتھ ہی اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ برہمن، مالابار کے لوگوں، سنگھالی، سیامی، جاوانی نہ صرف ان سب ملکہ پالی زبان کے لیے استعمال ہونے والی حروف تہجی بھی ایک ہی نظام سے تعلق رکھتے ہیں۔ پالی زبان سے اس کا مفہوم لاؤس، پیگو، کمبوڈیا اور سیام کی مذہبی زبان ہے

یہ خط بہت طویل ہے اور باریک حروف میں چھپے ہوئے ۱۷ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ گریرسن بے حد لطف سے تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ اس زمانہ کے خطوط نویس بھی کیا غضب کے ہوا کرتے تھے!

اس زمانے تک لسانیات کا علم بہت خام حالت میں تھا علوم و فنون کے متعدد شعبے ابھی الجھے ہوئے تھے ان خطوط سے فراہم ہونے والی تفصیلات بیشتر ناپختہ اور فنی خامیوں سے ملو ہیں لیکن پھر بھی وہ تاریخی افادیت کی حامل ہیں

اس موقر عالم کی شخصیت ماضی کے دھندلکوں میں کھوئی ہوئی ہے اس کی سوانح کے بارے میں انگریزی زبان میں بھی بہت کم مواد فراہم ہوتا ہے فرانسیسی زبان کے مشہور سوانحی تذکرے نوویل بائیگرونی کے مولف نے اس کا تذکرہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی ولادت نانتز میں ۴ دسمبر ۱۶۶۱ء کو ایک متمول تاجر کے گھر میں ہوئی تھی جس کا کاروبار دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اسکی تعلیم کا انتظام نگراں اور استاد مقرر کیا گیا۔ لیکن اس کا استاد درشت مزاج کا آدمی تھا۔ اس کی درشتی سے بددل ہو کر وہ ۱۳ سال کی عمر میں گواڈلوپ چلا گیا۔ اس جزیرے میں بھی اس کے باپ کے کچھ تجارتی تعلقات تھے۔ یہاں اس کا قیام تقریباً دو سال رہا۔ اس دوران میں اس نے انگریزی ہسپانی اور پرتگالی زبانوں سے واقفیت بہم پہونچائی ۱۶۷۷ میں واپسی کے بعد اس نے سمور کی سینٹ ڈکٹ خانقاہ میں اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۶۸۲ سے اس نے اسی خانقاہ کے اندر رہائش بھی اختیار کرلی۔ اس ادارے کی سلیمانہ زندگی اس کے مزاج کے مطابق تھی لیکن اپنے نگراں سے اس کی چپقلش ہوگئی جس کے نتیجے میں اس کو قید کی دھمکی دی گئی۔ یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ اس دھمکی کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ وہ سخت خوفزدہ ہوا اور ۱۶۹۶ میں وہاں سے فرار ہو کر باسل پہونچا۔ یہاں اس نے پروٹیسٹنٹ مذہب اور لاکروزے نام اختیار کیا برلن جاکر وہ ناخب (Elector) کا لائبریرین ہو گیا۔ تنخواہ صرف دو سو (Crowns) سالانہ تھی۔ اس کو Schwedt کے ولی عہد نواب کی تعلیم کا نگراں مقرر کیا گیا کچھ عرصہ بعد بریتھ Baireuth کی ولی عہد شہزادی کی تربیتی ذمہ داریاں بھی اسی کو سونپ دی گئیں۔ اس کے بے پناہ علم و فضل کی بدولت ۱۷۲۵ میں اس کو فرنچ کالج میں فلسفہ کے پروفیسر کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ مطالعہ سے اس کا شغف بے انتہا تھا۔ پیری اس بار کی متحمل نہ ہوسکی اور اس کو شانہ کی پتھری اور نقرس کا سخت عارضہ ہوگیا۔ اور مئی ۱۷۳۹ کو ۷۸ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

نوویل بائیگرونی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حافظہ قابل رشک تھا اور علم کے حصول میں وہ ہمیشہ سرگرم اور پرجوش رہتا تھا گہری بصیرت نے اس کی شخصیت کو بے حد قابل وقعت بنا دیا تھا اس کے علاوہ وہ بہت اچھے اخلاق کا مالک تھا اس کی ان تمام علمی اور اخلاقی خوبیوں نے اس کو علما کے طبقے میں بڑا ہر دلعزیز بنا دیا تھا اور اس کو زبردست مقبولیت بخشی تھی۔ اس کے دوست بے شمار تھے۔ ان میں عصر کے تقریباً تمام ہی علما شامل تھے۔ مثلاً بائبل، کوپر لیبنز اور اسے فیبرکیس وغیرہ

اس کی تصانیف مذہب فلسفہ ادب تاریخ اور لسانیات کے متفرق موضوعات کا احاطہ کرتی ہے

(۱) متفرق موضوعات پر مقالات ۔۔۔۔ ۱۷۰۷ء ان مقالات

میں خاص طور سے تین باتوں کا مطالعہ کیا گیا ہے (۱) ناسٹس سی فس کا نظریہ وحدانیت (۲) اسلام اس کے خیال کے مطابق ان دونوں کے بنیادی مقاصد واحد ہیں (۳) اور قدما کی تحریرات کی متصورہ ابتدا کے بارے میں پی ہروداں P. Hardouin کا نظریہ۔

(۲) ہندوستان میں عیسائی مذہب کے حالات ۱۷۰۸ء

(۳) تنقید، مذہب، ادب اور تاریخ کے مختلف موضوعات پر مکالمات ۱۷۱۱ء اس میں چار مقالے ہیں۔ ان میں سے ایک انگریزوں کی دہریت کی روایت پر ہے اور دوسرا ایک Hasmange میں یہودیوں کی تاریخ کے بارے میں ہے یہ تنقیدی مقالہ بے حد غیر منصفانہ اور جذباتی ہے۔

(۴) ہارسینیا اور الفرنیا میں عیسائیت کی تاریخ ۱۷۲۲ء

یہ کتاب معیاری اعتبار سے اس کی دوسری کتابوں کے ہم پلہ نہیں ہے

(۵) خطوط کا مجموعہ ۱۷۳۲ء میں ابل نے شایع کیا۔

(۶) قبطی اور لاطینی یونانی لغت اکسفورڈ ۱۷۷۵ء اس کے مسودہ پر شلز نے نظر ثانی کی تھی وائلڈ نے تقریظ لکھی تھی اور یہ اکسفورڈ یونیورسٹی کے اخراجات پر شایع ہوئی تھی۔ اس ڈکشنری میں ہر قبطی لفظ کا مترادف لاطینی اور یونانی میں لکھ دیا گیا تھا الفاظ کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔

اس کے علاوہ مختلف رسائل میں اس کے متعدد مقالات شایع ہوئے تھے۔ شایع شدہ تصانیف میں تین ڈکشنریاں ایک آرمینی ڈکشنری ایک سلافی اور سریانی ڈکشنری کہی جاتی ہیں آرمینی ڈکشنری کی بابت یہ مشہور ہے کہ خاصی تلاش و تحقیق کا ثمرہ تھی۔

م۔ اصلاحی

لقمان کی حقیقت

ہماری زبان کی غالباً ۲۲ر جنوری ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں لقمان کے متعلق یہ استفسار شائع ہوا تھا کہ لقمان کی کوئی واقعی شخصیت تھی یا محض روایتی اور افسانوی؟ اسی استفسار کے جواب میں یہ معلومات پیش کی جا رہی ہیں۔

جن قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہ لانے کی پاداش میں خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئیں، ان میں قدیم ترین قوم عاد کی تھی۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد اسی عاد قوم کا ذکر آتا ہے، عاد انھیں لوگوں کی نسل میں سے تھے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور ان کے ساتھ پانی کے عذاب سے محفوظ رہ گئے تھے۔ لیکن آگے چل کر ان کی نسل قوم نوح کی طرح ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ عاد کی ہدایت کے لیے حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ والی عاد اخاہم ہودا۔ (سورہ اعراف) ہم نے عاد کی ہدایت کے لیے ان کے قومی بھائی ہود کو بھیجا۔ قرآن شریف میں حضرت ہود علیہ السلام کا وعظ منقول ہے، اس میں حضرت ہود علیہ السلام نے عاد کو عبرت دلاتے ہوئے فرمایا ہے۔

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح اے لوگو! اس بات کو یاد کرو جب خدا نے قوم نوح کے بعد تم کو اس کا جانشین بنایا۔

(سورہ اعراف)

قوم عاد کا مسکن احقاف تھا، قرآن مجید میں ہے۔

واذکر اخا عاد اذ انذر قومہ بالاحقاف اور عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب اس نے

اپنی قوم کو احقاف میں شرک و ضلالت کے نتائج سے متنبہ کیا۔

احقاف کا علاقہ عمان، یمن اور یمامہ کے درمیان واقع ہے۔ قوم عاد اپنے زمانے کی بڑی متمدن اور ترقی یافتہ قوم تھی، اور اس نے یمن کے مغربی سواحل سے عراق تک اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس قوم کو بلند ستونوں کی عالیشان یادگار عمارتوں کا خاص ذوق تھا۔ تاریخی حیثیت سے اس قوم کے آثار مٹ چکے ہیں۔ لیکن جنوبی عرب میں کہیں کہیں کچھ پرانے کھنڈر اب بھی موجود ہیں جنھیں عاد کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔

عاد پر خدا کا عذاب آیا تو حضرت ہود علیہ السلام اپنے متبعین کو لے کر حجاز چلے گئے، قوم عاد کے یہی نجات یافتہ لوگ تاریخ میں "عاد ثانیہ" کہلاتے ہیں۔ ان لوگوں نے بھی اپنی حکومت قائم کر لی تھی، لقمان انھیں لوگوں میں ایک دیندار اور خدا پرست بادشاہ گزرے ہیں جو حضرت ہود علیہ السلام کی شریعت کے پیرو تھے۔ لقمان کی عمر کئی سو سال کی بتائی گئی ہے۔ قدیم قوموں کی تاریخ ایسے ہی طویل العمر بادشاہوں سے شروع ہوتی ہے لیکن اس کی ایک تاویل یہ بھی کی جاتی ہے کہ ان بادشاہوں کے خاندانوں میں کئی سو برس تک حکومت رہی، بجائے خاندان کے خود ان بادشاہوں کے شخصی نام خاندان قرار دے دیے گئے۔ اس اعتبار سے لقمان کی عمر سے مراد ان کے خاندان کی عمر ہے۔

روایات کے لقمان کئی ہیں۔ چونکہ بادشاہ ہونے کے ساتھ وہ ایک دانشمند بھی تھے اس لیے ان سے حکیمانہ مقولے، حکایتیں اور تمثیلیں منسوب ہو گئیں۔ قدیم زمانے میں [illegible] کا مقبول و موثر ذریعہ تھیں یہی حکایتیں اور تمثیلیں۔ نزول قرآن سے پہلے بھی اہل عرب لقمان کو ایک بادشاہ کی حیثیت سے جانتے تھے۔ سیرۃ النبی میں عربی کا جو ذخیرہ موجود ہے اس میں سب سے قدیم تصنیف مشہور مورخ ابن اسحاق کی ہے جن کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی۔ اس مورخ نے اپنی کتاب "المبتدا" میں لکھا ہے۔ "شداد بن عاد مر گیا تو اس کی حکومت اس کے بھائی لقمان بن عاد کو ملی۔"

یہ تسلیم ہے کہ لقمان عاد اور حکیم لقمان دو تھے۔ عرب کے افسانہ گویوں نے کہا ہے کہ لقمان افریقی نسل سے تھے اور ایک غلام کی حیثیت سے عرب آئے تھے۔ بعض مغربی علماء حکیم لقمان اور یونانی حکیم ایسپ کو ایک قرار دیتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ان کے نزدیک دونوں کے ایک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کی حکایتیں اور تمثیلیں ہم یکساں ہیں، لیکن یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ علماء اور حکماء کے افکار و تصورات عموماً ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ قدیم عرب حکمائے یونان سے بالکل ناآشنا تھے، لیکن وہ لقمان سے واقف تھے، عرب شاعر جاہلی سلمیٰ بن ربیعہ کے دو شعروں کا مفہوم یہ ہے۔

"زمانے کے حوادث نے قبیلہ طسم، اور اس کے بعد ذاجدن، شاہ یمن کو، اور اہل جاش و مآرب کو اور قبیلہ لقمان کو مٹا دیا۔"

قرآن مجید میں حضرت لقمان کے نصائح منقول ہیں، اور ایک سورہ بھی ان کے نام سے موسوم ہے، خدا فرماتا ہے۔

"ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی (اور اسے حکم دیا) کہ خدا کا شکر گزار رہے، جو کوئی خدا کا شکر گزار رہتا ہے اس کا فائدہ خود اسی کی ذات کو پہنچتا ہے، اور جو کفران نعمت کرتا ہے (تو خدا اس کی شکر گزاری سے) بے نیاز اور سزاوار خوبی ہے۔

یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ "میرے بیٹے! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔ (خدا نے فرمایا ہے کہ) ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے (اور وہ اس بات کو سوچے کہ) اس کی ماں اسے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے کمزوری پر کمزوری (برداشت کرتی ہے پھر) دو برس کے اندر دودھ چھوٹتا ہے، (پس) اے انسان! میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہ، (اور یاد رکھ کہ) تجھے لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے۔"

"(ہاں) اگر تیرے والدین تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو کسی کو میرا شریک ٹھہرائے تو ان کا کہنا نہ ماننا، لیکن دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے پیش آنا اور تبع انھیں کے رہنا اور میری طرف رجوع رہتے ہیں، بالآخر تم کو میری ہی طرف واپس آنا ہے پھر تم (دنیا میں) جو کچھ کرتے رہے ہو اسے تم کو بتا دوں گا، میرے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز ہوگی اور وہ کسی چٹان کے اندر یا آسمان میں یا زمین میں (کہیں بھی) ہوگی تو اسے بھی خدا لا دکھائے گا، خدا بے شبہ باریک بیں اور (ہر شے کی) خبر رکھنے والا ہے، میرے بیٹے! نماز کو قائم رکھنا، لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے منع کرتے رہنا، اور تجھ پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا، بڑی حوصلہ مندی کے کام یہی ہیں اور (ہاں) غرور سے لوگوں سے منہ نہ پھیرنا، اور نہ زمین پر اکڑ کر چلنا یقین رکھ خدا مغرور اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرنا اور آواز کو نرم رکھنا، بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے۔ (سورہ لقمان پ ۲۱)

۱۸۳۴ء میں ایک انگریز نیل سٹڈ (Wellsted) نے حصن غراب کے آثار قدیمہ میں جو عدن کے قریب واقع ہے ایک کتبہ دریافت کیا تھا یہ سب سے پہلا کتبہ ہے جسے یورپ نے سرزمین عرب میں سب سے پہلے دریافت کیا، یہ کتبہ خط جنوبی عربی میں ہے جسے متاخرین غلطی سے حمیری کہتے ہیں، کتبہ کے بعض اقتباسات یہ ہیں۔

"ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہے، ہماری

حالت بد نصیبی اور ادبار سے دو دو چار تھی ہماری نہروں میں دریا کا پانی امنڈا آتا تھا۔ سمندر موجیں مارتا ہوا ہمارے قلعوں کی دیواروں سے غضبناک ہو کر ٹکریں مارتا تھا، ہمارے چشمے خوش آئند آواز سے بہتے تھے۔"

"ہم آہستہ آہستہ خراماں خراماں رنگ رنگ کے ریشمی لباس اور کاہی سبز مختلف الالوان جامہ پہن کر چلا کرتے تھے، اور ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے تھے جو کینہ خیالات سے بہت دور، اور شریروں کو ہودگی شریعت کے مطابق سزا دیتے والے تھے۔ اچھے فیصلے کتابوں میں لکھے جاتے تھے۔ اور ہم معجزات پر یقین رکھتے تھے۔"

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لقمان ایک دیندار خدا ترس، اور رعایا پرور بادشاہ تھے اور ان کی قوم شریعت ہوؑد کی پیرو اور اپنے زمانے کی ایک مہذب اور شائستہ قوم تھی۔ قرآن شریف سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت لقمان بادشاہ ہونے کے ساتھ ایک حکیم، دانشور اور دینی حقایق کے ماہر تھے۔ (ماخوذ از ارض القرآن علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم)

(ابو محمد امام الدین رام نگری)

ہندوستان کی تیسری زبان اردو

تیسری زبان کے روپ میں اردو کا استعمال ہندوستان بھر میں ہونا چاہیے۔ ہندی کا پہلے روپ میں۔ انگلش کا گیان ضروری ہونا چاہیے۔ اس میں صوبائی زبان دوسری زبان کے طور پر۔ اس طرح سے چار زبان کا فارمولہ بہت اچھا ثابت ہو سکتا ہے۔ اردو تمام ہندستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

(جابیر پرشاد تیل شاد صدر انجمن ترقی اردو کمنڈ منڈی)

جواب استفسار

میں خوش ہوں آج مسجد ویراں کو دیکھ کر
میری طرح خدا کا بھی خانہ خراب ہے

ہماری زبان مورخہ ۸ فروری ۱۹۶۵ء کے شمارے میں دریافت شدہ اس شعر کے خالق سید عبدالحمید عدم ہیں۔

(ظفر احمد نظامی گورنمنٹ کالج دتیا)

علامہ اقبال اور شیخ اقبال

ہماری زبان کی اشاعت مورخہ یکم مارچ ۱۹۶۵ء میں جناب نادم سیتاپوری نے ڈاکٹر شیخ اقبال اور سعد شی کی مرتب کردہ اردو ریڈرز کا تذکرہ کیا ہے۔ ان ریڈرز کو منقولات اقبالیات کا ایک جز قرار دینے کی تجویز کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادم صاحب کو ڈاکٹر اقبال کے نام سے غلط فہمی ہوگئی ہے۔ یہ ریڈرز علامہ اقبالؒ کی مرتب کردہ نہیں بلکہ ان کے مرتب شیخ اقبال ہیں جو اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہ چکے ہیں۔ پرنسپل صاحب کے نام سے پہلے شیخ اقبال لکھا جاتا ہے اور علامہ اقبال کے نام سے پہلے علامہ لکھ کر دوسرے ڈاکٹر اقبال سے تمیز کیا جاتا ہے ویسے دونوں ڈاکٹر اور شیخ تو تھے ہی۔ ڈاکٹر شیخ اقبال نے اردو ریڈرز کے علاوہ فارسی ریڈرز اور ایف۔ اے اور بی۔ اے کے فارسی کورس بھی مرتب کیے ہیں۔

(محمد کفایت اللہ۔ مالیرکوٹلہ)

رسا ماہروی کے حالات

مجھ کو حضرت رسا ماہروی کے حالات زندگی کے متعلق کچھ معلومات درکار ہیں۔ قارئین ہماری زبان کو اگر اس سلسلے میں کچھ معلومات ہوں تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔

(محمد انیس خاں ماہروی)

انجمن ترقی اردو کی تمام شاخوں سے

دلی کی ریاستی شاخ انجمن ترقی اردو نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے سہ ماہی رسالہ "صبح" کو اپریل سے ماہانہ شائع کرے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں علمی و ادبی مضامین کے علاوہ ان تمام سرگرمیوں اور کوششوں کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے جو انجمن ترقی اردو کی ریاستی شاخیں اردو کی لسانی تحریک کو بڑھانے اور اردو ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں کی جا رہی ہیں۔ ہم بہت ممنون ہوں گے اگر ہندوستان کی تمام ریاستی شاخیں اختصار کے ساتھ جلد سے جلد اپنی سرگرمیوں کی تفصیلات حسب ذیل پتے پر بھیجیں۔

د عبداللطیف اعظمی ادیٹر "صبح"
انجمن ترقی اردو جامعہ نگر۔
نئی دلی ۲۵

اردو کو آندھرا پردیش کی دوسری زبان بنایا جائے

حیدرآباد ۲۸ فروری۔ جناب حبیب الرحمٰن معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے آج یہاں کہا کہ اردو زبان ہی ہندوستان کے ہر حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ خصوصیت ہندوستان کی کسی زبان کو حاصل نہیں ہے۔ رکاوٹوں کے باوجود بول چال کی حد تک رابطہ کی زبان حقیقتاً اردو کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں۔ اردو کو اس کا جائز حق ملنا چاہیے اردو ملک کے ہر حصہ میں اردو کو ریاستی زبان قرار دیا جانا چاہیے۔

جناب حبیب الرحمٰن محبان اردو کے ایک اجتماع کو مخاطب کر رہے تھے جو آج صبح اسٹڈی سرکل کل ہند مجلس تعمیر ملت کے زیر اہتمام مدینہ نشن نارائن گوڑہ میں منعقد ہوا تھا جناب خلیل اللہ حسینی صدر مرکزی مجلس تعمیر ملت نے صدارت کی۔ جناب حبیب الرحمٰن نے کہا کہ قانون کے ذریعہ آندھرا پردیش میں تلگو کو سرکاری زبان بنانے کا مسودہ اسمبلی میں پیش کیا جانے والا ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اردو کو آندھرا پردیش کی دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیتے ہوئے قانونی شکل دی جائے انھوں نے کہا جمہوریت میں اس وقت تک مطالبہ کی تکمیل نہیں کی جاتی جب تک مطالبہ کرنے والوں کے پیچھے طاقت نہ ہو۔ یہ ہماری حکومت کا مزاج بن گیا ہے کہ جب تک ہنگامے نہ ہوں کسی مطالبہ کو قبول نہ کیا جائے۔ لیکن ہم پرامن اور قانونی جدوجہد کریں گے۔

(سیاست جدید حیدرآباد)

اردو کو مدھیہ پردیش میں ثانوی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے

دفتر اہل ادب توپ خانہ اُجین میں اردو کی مختلف انجمنوں کا مشترکہ جلسہ ہوا جس میں انجمن ترقی اردو "بزم ادب" بزم اہل ادب، ادارہ ادب کی جانب سے اردو کے متعلق تجویز بہ اتفاق رائے منظور ہوئی کہ حکومت مدھیہ پردیش اردو کو صوبے میں بطور ثانوی زبان تسلیم کرے۔ کیونکہ مدھیہ پردیش میں سابق ریاست بھوپال ریاست جاورہ شامل ہیں جہاں دفتری زبان اردو تھی اور دوسرے وہ اضلاع ہیں جہاں اردو لکھی پڑھی اور بولی جاتی ہے۔ پورے صوبے میں ہندی کے بعد صرف اردو ہی ثانوی زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ سہ لسانی فارمولہ جو حکومتوں نے منظور کیا ہے۔ اس میں اردو کی پڑھائی کا معقول انتظام ہو۔

افسوس ہے کہ مدھیہ پردیش کی چھ یونیورسٹیوں، وکرم یونیورسٹی اُجین، اندور یونیورسٹی، ساگر یونیورسٹی، جبل پور یونیورسٹی، روی شنکر یونیورسٹی رائے پور، جیواجی یونیورسٹی گوالیار میں اردو کی پڑھائی کا انتظام نہیں ہے۔ جس کے لیے انجمن ترقی اردو کوشاں ہے۔

اسی طرح مدھیہ پردیش کے چار ریڈیو اسٹیشنوں اندور، بھوپال، گوالیار، رائے پور میں اردو کا روزانہ باقاعدہ نشریات کا انتظام بھی نہیں ہے۔ یہ جلسہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس کا جلد از جلد بندوبست کیا جائے۔ اس سلسلہ میں طے پایا کہ حکومت کے ارباب حل و عقد سے درخواست کی جائے اور اس کی نقول اخبارات کو برائے اشاعت بھیجی جائیں۔

اس کے بعد حضرت عاقل جوی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔

(طاہر گلشن آبادی)

انجمن ترقی اردو راجستھان کی میٹنگ

۱۴ فروری کو زیر صدارت خان بہادر الطاف احمد صاحب خیری انجمن ترقی اردو شاخ راجستھان کی میٹنگ بوقت ۱۰ بجے دن مسلم مسافر خانہ جے پور میں منعقد ہوئی۔ جس میں حسب ذیل خاص خاص تجاویز بالاتفاق منظور ہوئیں:۔

(۱) کل ہند اردو کانفرنس جے پور کی مفصل روداد مع کلام شعرا اور خاص خاص تصاویر جلد شایع کر دی جائے اس کی طباعت میں اب تک تاخیر کا سبب یہ بتایا گیا کہ بیشتر شعرا صاحبان نے اپنا کلام عنایت نہیں کیا لہٰذا اُن سے پھر استدعا کی گئی کہ وہ جلد سے جلد اس کانفرنس کے مشاعرے کی غزلیات اور نظمیں دفتر انجمن ترقی اردو راجستھان کو بھیج دیں۔ کتابت کا کام شروع ہو گیا ہے۔

(۲) گورنمنٹ راجستھان نے ۱۷ دسمبر ۶۴ء کو ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی ہے کہ اردو کے متعلق جو احکام جاری ہو چکے ہیں ان کی خاطر خواہ تعمیل نہ ہونے کی وجہ دریافت کرے اور مکمل طور پر اُن کی تعمیل کرائے۔ اس بابت طے کیا گیا کہ گورنمنٹ راجستھان سے استدعا کی جائے کہ انجمن ہذا کے نامزد کردہ دو اصحاب کو بھی اس کمیٹی میں شامل کیا جائے۔

(۳) انجمن کے سہ سالہ انتخابات کے لیے ۲۵ اپریل ۶۵ء یوم اتوار مقرر کیا گیا۔ اور سید احمد علی شاہ صاحب قمر جعفری ریٹرننگ آفیسر مقرر ہوئے۔

(۴) "کل راجستھان اردو سیمپوزیم" جو امسال انجمن ترقی اردو بیکانیر کے زیر اہتمام منعقد ہونا طے کیا جا چکا ہے۔ بیکانیر انجمن کے صدر ظفر محمد خان صاحب ایڈووکیٹ ریٹائرڈ سشن جج راجستھان ہیں اور سکریٹری خلیل احمد صاحب خلیل اس سلسلہ میں مزید پیش رفت کے لیے شاخ

مذکورہ کو تجاوز قرار دیا گیا۔

(۵) اردو کی معیاری کتب ادب مرتبہ شعراء و ادبائے راجستھان کی طباعت کے لیے جو گورنمنٹ راجستھان نے دس ہزار روپیہ سالانہ کی منظوری دی ہے۔ اور انجمن ہذا نے اس کام کے لیے ایک کمیٹی مقرر کر دی ہے۔ اس کی بابت طے ہوا کہ ایسی تصانیف فراہم کر کے ساہتیہ اکیڈمی راجستھان کی معرفت ان کو طبع کرایا جائے۔ اس سلسلہ میں شعراء و ادبائے راجستھان سے تصانیف فراہم کی جائیں۔ ان کی طباعت کے لیے مقررہ کمیٹی اکیڈمی سے سفارش کرے گی۔ (احترام الدین شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کی بابت

حکومت راجستھان کا منصفانہ حکم

جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل کو، ایجوکیشن بورڈ راجستھان اور راجستھان یونیورسٹی، انجمن ترقی اردو راجستھان کی مسلسل کوشش کی بنا پر اب سے کافی عرصہ پہلے تسلیم کر کے صرف انگریزی میں میٹرک، انٹر اور بی۔ اے کے امتحان دینے کی اجازت دے چکی ہے۔ اور ایسے امتحانات پاس کر لینے والے لوگوں کو تعلیمی اداروں میں سرکاری ملازمت کا اہل بھی قرار دیا جا چکا ہے۔ لیکن یہ مرحلہ باقی تھا کہ ان کو میٹرک، انٹر اور بی اے کے گریڈ بھی دیے جائیں۔ ریاستی انجمن اس بابت برابر خط و کتابت کر رہی تھی۔ لہذا گورنمنٹ راجستھان نے بذریعہ حکم نمبر ۱۹۳ (F) 8 A (۷) F.2 مورخہ ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۷۵ء مجریہ پیج ۲، ادیب کو میٹرک کے برابر اور ادیب ماہر کو انٹر کے برابر اور ادیب کامل کو بی۔ اے کے برابر تسلیم کر لیا۔ جملہ سکریٹریز گورنمنٹ راجستھان، سکریٹری چیف منسٹر صاحب، جملہ محکمات کے افسران اعلیٰ، جملہ کلکٹرس، سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پریس، سکریٹریز لوکل باڈیز، داخلی و جملک سروس کمیشن و رجسٹرار راجستھان ہائی کورٹ کو مطلع کیا ہے۔ اور نقل انجمن ترقی اردو راجستھان کو ارسال کی ہے۔ اس حکم کی انجمن بہ شکر گذار ہے۔ اب گریڈ ملنے سے ان کو کوئی دقت نہ ہوگی۔

(احترام الدین احمد شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

پنجاب میں اردو

محکمہ السنہ پنجاب کے زیر اہتمام اردو مصنفین کی سالانہ کانفرنس ۲۱ فروری کو پٹیالہ میں منعقد ہوئی۔ مجلس مصنفین کی صدارت انجمن ترقی اردو (ہند) پنجاب کے صدر جناب جی۔ ایس۔ ٹیکل نے کی اور گورنمنٹ کالج لدھیانہ کے پروفیسر امیر چند بہار نے "پنجاب میں اردو" کے عنوان سے ایک ادبی اور تحقیقی مقالہ پڑھا جو بہت پسند کیا گیا۔ مقالہ کے پہلے حصے میں پروفیسر بہار نے اردو زبان کے آغاز و ارتقا پر روشنی ڈالی اور دوسرے حصے میں پنجاب میں اردو ادب کا جائزہ پیش کیا۔ شروع سے تا حال پنجاب کے تمام سرکردہ ادیبوں، شاعروں، نقادوں، صحافیوں، افسانہ نویسوں، ڈرامہ نویسوں اور طنز و مزاح نگاروں کا ذکر کیا گیا اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی۔ اختتام پر پنجاب میں اردو کے مستقبل پر بحث ہوئی۔ محکمہ کی طرف سے پروفیسر بہار کا یہ تحقیقی مقالہ جلد کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔

صدر انجمن ترقی اردو پٹیالہ کا بیان

پٹیالہ ۱۹ فروری ۱۹۷۵ء جناب ہربنس سنگھ نجی صدر انجمن ترقی اردو پٹیالہ نے ایک پریس کانفرنس میں پنجاب نامہ نگاروں کو بتایا کہ جب اردو کالج کا افتتاح پچھلے دنوں شری پربودھ چندر، وزیر تعلیم پنجاب نے فرمایا انجمن ہذا کو اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ انجمن خود ایک اردو مدرسہ چلانے کا ارادہ رکھتی ہے جس میں ابتدائی تعلیم مفت دی جائے گی۔ یہ اردو کالج کی طرح کسی کا ذاتی اور تجارتی ادارہ نہیں ہوگا۔ انھوں نے انجمن کی طرف سے مقامی شعراء کا ایک مجموعہ کلام شائع کرنے کی بھی خواہش ظاہر کی۔ محکمہ السنہ کی طرف سے شہر پٹیالہ میں ہونے والے مشاعرے کے بارے میں افسوس ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے انجمن کے کسی بھی شاعر و ادیب کو شرکت کرنے کی دعوت نہیں دی اور نہ ہی انجمن کو اس معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرنے کے لیے کہا۔ آخر میں آپ نے زور دیا کہ حکومت اردو کی علامتی سرپرستی کی بجائے عملی سرپرستی کرے اور اردو کی ترقی و بہبودی کے لیے فنڈ میں مناسب اضافہ کرے۔

(ہربنس پٹیالوی)

مدھیہ پردیش کی شاخوں کے نام

انجمن ترقی اردو (ہند) کے قواعد کے مطابق انتخابات ہر تین سال بعد اور ممبر سازی ہر سال یکم جنوری تا ۳۱ دسمبر کی جانا چاہیے اور جس ممبر سے مبلغ ایک روپیہ چندہ وصول ہونا چاہیے اس چندہ سالانہ کی رقم کا ۲۵ فیصدی حصہ ریاستی انجمن کو ارسال کرنا چاہیے تھا تاکہ ریاستی انجمن دفتری کام چلا سکے۔ لیکن نہایت دکھ کے ساتھ تحریر کرنا پڑتا ہے کہ مدھیہ پردیش کی شاخوں کی بڑی تعداد نے کئی سالوں سے ریاستی انجمن کو باوجود

متعدد یاد دہانیوں کے نہ تو سالانہ چندہ کی رقم کا ۲۵ فیصدی حصہ ارسال کیا اور نہ انتخاب ہی کرا کر تجدید الحاق شاخ کرایا۔ جے پور میں کل ہند اردو کانفرنس کے موقع پر حاضر ڈیلیگیشن نے وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ اپنے اپنے مستقر پر پہنچ کر فیس تجدید الحاق شاخ اور سالانہ چندہ کا ۲۵ فیصدی حصہ ارسال کر دیں گے، لیکن اس کو بھی پانچ ماہ کی مدت بیت گئی۔

ظاہر ہے کہ ریاستی انجمن کی آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں، تو ایسی صورت میں ریاستی انجمن کو کیا کچھ دشواریاں پیش آتی ہوں گی۔ ہر بار ہر معاملے کے لیے مقامی طور پر چندہ کر کے کام چلانا پڑتا ہے جو کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے، چند شاخوں کو چھوڑ کر بڑی تعداد ایسی ہے جو جواب تک دینے سے گریز کر جاتی ہے۔

لہٰذا جملہ شاخوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے سابقہ چندہ سالانہ کا ۲۵ فیصدی حصہ ۳۰ اپریل ۱۹۶۵ء تک ریاستی انجمن کو ارسال کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔ اگر شاخیں اب بھی خاموش رہیں تو ریاستی انجمن کو موثر قدم اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

اس کے علاوہ ہر شاخ ریاستی انجمن کو ششماہی رپورٹ ارسال کرے کہ اس نے اپنے علاقے میں اردو کی ترقی۔ ترویج و اشاعت اور تعلیمی سلسلہ میں کیا عملی اقدامات کیے ہیں تاکہ ریاستی انجمن اس کو شایع کر کے دوسری شاخوں کی رہبری اور مدھیہ پردیش کے دیگر علاقوں میں اس کو شاندار زندہ تحریک کی شکل میں پیش کر سکے۔

۱۹۶۵ء کی ممبر سازی کے سلسلہ میں مرکزی انجمن نے جو سفارشات مجلس عاملہ میں پیش کی ہیں اس کے فیصلہ کے مطابق جدید ممبر سازی ریاستی انجمن عنقریب شروع کرنے والی ہے اور فارمات بکثرت ریاستی انجمن بہت جلد طبع کرا کر موجودہ شاخوں اور مدھیہ پردیش کے تمام اردو دوستوں کو فراہم کرنے کی تیاری میں مصروف ہے۔ فارمات ممبری سازی ایک روپیہ ۲۵ پیسے (۲۵۔۱ روپے) فی صد کے حساب سے جتنی رقم وصول ہونے کے بعد ارسال کیے جائیں گے اس میں مصارف ڈاک بھی شامل ہوں گے جس کی اطلاع عنقریب دی جائے گی۔

(ایم عرفان جنرل سکریٹری ریاستی انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش)

انجمن ترقی اردو جودھپور کا تعزیتی جلسہ

ساہ گوردھن لال جی کابرا" صدر انجمن ترقی اردو، جودھپور و سرپرست جامعہ اردو (علی گڑھ) سینٹر جودھپور کے انتقال پر ملال پر ممبران انجمن ہذا و ممبران مینجنگ کمیٹی سینٹر ہذا کی جانب سے تعزیتی جلسہ زیر صدارت جناب خان وحید اللہ خان صاحب منعقد ہوا۔

"ساہ گوردھن لال جی کابرا بڑے پایہ کے علم دوست ادب نواز شخصیت کے حامل تھے کابرا صاحب آنجہانی کو موسیقی سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ موصوف کی زندگی علم و ادب کی ترقی کے لیے وقف رہی۔ ہر اس جگہ جہاں علم و ادب کا چرچا ہوتا موصوف دامے، درمے، سخنے، قدمے بلا کسی ترغیب کے نمایاں حصہ لیتے رہے۔ کابرا صاحب زندگی بھر اردو و ادب کی ترقی و بہبودی کے لیے سرگرم عمل رہے۔ اردو ادب کے لیے آنجہانی کا خلوص عقیدت کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ انجمن ترقی اردو جودھپور کے شروع ہی سے صدر رہے۔ جامعہ اردو کے سینٹر ہذا کو ترقی دینے کے لیے کم مایہ مگر علم و ادب کے شائق طلبہ کے لیے اکثر و بیشتر فراخ دلی سے اپنا دست تعاون بڑھا کر طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے باوجود گوناگوں مصروفیات کے سماجی و ادبی کاموں میں نمایاں حصہ لیتے رہے اور بے لوث خدمت کرتے رہے۔

آنجہانی بڑے منکسر مزاج تھے ہر کہ و مہ سے بہت خلوص سے ملتے تھے۔ موصوف با اخلاق اور بڑے اونچے کردار کے حامل تھے۔ جودھپور کے ہر حلقہ میں یکساں طور پر ہر دلعزیز تھے"

جملہ ممبران آنجہانی کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں اور ان کے لواحقین و پسماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ (محمد عبدالقیوم خان نائب سکریٹری انجمن ترقی اردو جودھپور)

انجمن ترقی اردو شاخ ادونی

مورخہ یکم مارچ ۱۹۶۵ء کو زیر صدارت عالی جناب کے محمد اسمعیل صدر انجمن ترقی (اردو ہند) شاخ ادونی، انجمن ہذا کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں یہ قرارداد تمام اراکین انجمن کی متفقہ رائے سے منظور کی گئی۔

"چونکہ دکن اردو کا قدیم مرکز رہا ہے اس لیے یہاں اردو بولنے اور پڑھنے والوں کی کثیر تعداد ہے۔ اور اکثر اسکولوں میں اردو ذریعہ تعلیم ہے۔ واقعی یہ اردو والوں کے لیے مسرت کی بات ہے کہ آندھرا پردیش میں اردو کو تلگو کے ساتھ ساتھ علاقائی زبان کا درجہ دیا گیا ہے اب جب کہ تلگو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جانے والا ہے۔ لہٰذا اردو کو بھی اس کا جائز حق دیا جائے اور یہ ثابت کر دیں کہ زبان و ادب سے بھی دلوں کو جوڑا جا سکتا ہے۔ کیونکہ زبان محبت اور رواداری کی پیامبر ہے"

(محمود چودھری سکریٹری)

مالک انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ۔ مدیر و طابع نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا